اجتہادی مسائل

جس میں چند فقہی و علمی مسائل پر مجتہدانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

ادارہ ثقافت اسلامیہ

بالا اخلاقی اقدار کا قیام۔ یہ نکتہ ہماری نگاہ سے اوجھل نہ ہونا چاہیئے کہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حصول کو توقیت حاصل ہے۔ اٰتوا الزکوٰۃ حیوانی ضرورت ہے۔ مگر خاص انسانی ضرورت اقیموا الصلوٰۃ ہے جس سے کمیونزم خالی ہے۔ علاوہ ازیں کمیونزم کے نزدیک یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ یہی اس کے سارے فلسفے کا ماحصل ہے، زندگی کا وہ ارتقا جو مرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اس کے نزدیک بے معنی ہے۔ لیکن اسلام میں اللہ کے ساتھ آخرت کا تصور ایک بنیادی تصور ہے۔ اس لئے جب تک خدا اور آخرت کا تصور نہ ہو کمیونزم یا کوئی دوسرا نظام، اسلام اور اہل اسلام کے لئے کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

طریقۂ دفن میں اصلاح کی ضرورت

مرنے والے دنیا میں کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کی گ حیات کٹ جاتی ہے گردن الگ ہو یا نہ ہو۔ دوسرے وہ ہیں جن کے جسم کے کسی حصے میں کوئی گلنے یا گہرا زخم لگنے سے خون کی اتنی مقدار نکل جاتی ہے کہ وہاں دوبارہ خون داخل کرکے زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے قوائے حیات عمر طبیعی پوری ہونے کے باعث ختم ہو جاتے ہیں۔ چوتھے ایسے لوگ ہیں جو مہلک بیماری ـــــ مثلاً دق کے تیسرے درجے یا طاعون یا ہیضے وغیرہ ـــــ کے سبب ابدی نیند سو جاتے ہیں اور پانچویں قسم ان مرنے والوں کی ہے جن کے جسم کے اندر کوئی سخت زہریلا مادہ پھیل جاتا ہے۔

یہ اور اس قسم کی کچھ اور صورتیں ایسی ہیں جن سے موت واقع ہو جانے کے بعد زندگی از سر نو عود نہیں کرتی یعنی ابھی تک ہماری میڈیکل سائنس وہاں تک نہیں پہنچی ہے کہ اس نوع کے مرنے والوں میں جان ڈال سکے لیکن بعض اقسام مرنے والوں کی ایسی بھی ہیں جن کی زندگی دوبارہ لائی جا سکتی ہے۔ بلکہ لائی جاتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ ہارٹ فیلیور (HART FAILURE) جسے عموماً حرکت قلب بند ہو جانے سے تعبیر کرتے ہیں ایک ایسی شکل ہے جس کے بعد مرنے والے میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہیں رہتی۔ اور موت کے تمام آثار و علامات موجود ہوتے ہیں۔ ہماری موجودہ سائنس اس قسم کی موت کو زندگی سے بدل دینے میں کامیاب ہو گئی ہے بشرطیکہ ایک محدود وقت کے اندر ایسے مرنے

Marfat.com

والے کو زندہ کر لیا جائے۔

۲۔ دوسری قسم کا نام ہے "سکتہ" اس میں بھی تمام آثار زندگی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن در اصل یہ ایک عارضی اور وقتی موت واقع ہوتی ہے۔ جو کبھی از خود اور کبھی کوشش سے زندگی میں بدل جاتی ہے۔ میں نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کے ایک ملازم کو بچشم خود دیکھا ہے جو ایک بار نہیں بلکہ تین بار مر کر زندہ ہوا۔ اس کی عمر کم و بیش نو سال کی تھی۔ ایک بار وہ بیمار پڑا اور پٹنہ کے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں وہ "پہلی بار" مر گیا اور مردے خانے میں داخل کر دیا گیا تھا کہ صبح ہونے پر مالک کے حوالے کر دیا جائے۔ قریباً نصف شب کو اس مردے خانے سے رونے چلانے کی آواز آئی متعلقہ ڈاکٹر اور ملازمین گھبرا کر اندر گئے تو دیکھا کہ حضرت سلامت میٹھے رو رو کر اپنے سرپرستوں کی دہائی دے رہے ہیں۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ یہ حضرت رحلت فرما گئے لوگوں کو پورا یقین تھا کہ یہ انا للہ ہو چکے ہیں۔ معائنہ کرنے والے ڈاکٹروں یا حکیموں نے بھی موت کا ہی فتویٰ دے دیا تھا۔ اسے نہلایا گیا کفنایا گیا اور قبر میں بھی لٹا دیا گیا۔ پٹنے عظیم آباد کے دستور کے مطابق جب بانس کے ڈنڈے رکھے جانے لگے تو یہ حضرت اندر سے گھبرائے اور یوں مراد آباد کی طرح عظیم آباد میں بھی مردہ زندہ ہو گیا۔ فریب موت یا "سکتے" کا یہ تیسرا واقعہ تھا جو اس کے ساتھ ہوا۔ دوسرے واقعے کی نوعیت مجھے تفصیل سے یاد نہیں۔ بہر حال کبھی مردہ کفن پھاڑ کر بھی باہر آ جاتا ہے۔

ابھی تک مجھے یہ علم نہیں کہ میڈیکل سائنس والوں نے حقیقی موت اور سکتے والی موت کے فرق کو تلاش کر لیا ہے یا نہیں اور اگر کر بھی لیا ہو تو یہ ظاہر ہے کہ ہر قریہ و شہر کو ایسے ماہر میسر نہیں جو موت اور سکتے کے فرق کو محسوس کر سکتے ہوں۔ موت کی یہ قسم ایک ایسا "سکتہ" ہے جس کے بعد "وقف لازم" ہو جاتا ہے یعنی کچھ توقف کرنا چاہیئے اور مکمل وقوف موت کی تحقیق کے بعد اسے دفن کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ بعد دفن وہ اندر اٹھ بیٹھے اور یہ کہنے لگے کہ "من نعشنا مرقدنا" "سکتہ"

Marfat.com

"ھذا ما وعد الرحمٰن" الخ (یہاں مرقدنا کے بعد "سکتہ" ہے اور یہاں ٹھہرنا ضروری ہے)

آگے چلنے سے پہلے یہاں ذرا اس بھیانک اور بے بسی کی موت پر غور کیجئے کہ دفن ہو چکنے کے بعد ایک انسان زندہ ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو ایک ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند پاتا ہے۔ جہاں یہ "صاحب سکتہ" اٹھ کر پوری طرح بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ جہاں نہ ہوا کا گزر ہے نہ روشنی کا۔ نہ کھانے کا سامان ہے نہ پینے کا۔ وہ چیختا چلاتا اور روتا ہوگا۔ دفن کرنے والوں کو آوازیں دیتا ہوگا۔ مگر اس کی آواز کو خود اس کے سوا کوئی سننے والا نہیں ہوتا۔ وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہوگا۔ مگر بے سود۔ کس بے بسی اور بے کسی سے وہ گھٹ گھٹ کر مرتا ہوگا۔ ایسی موت جس کے بعد پھر زندگی نہ ہو۔ اللہ بچائے ایسے بندہ خدا اس طرح مر کر زندہ درگور ہوتے ہوں گے۔ کیا انسانوں نے کبھی اس کا احساس کیا ہے اور اس کا کوئی مداوا سوچا ہے؟

"کشف الظنون" میں قاضی بیضاوی کا یہ عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایسی حالت میں دفن کر دیئے گئے تھے اور قبر کے اندر زندگی لوٹ آئی۔ ان کے پاس کچھ دیا نہیں تھا جن کی وجہ سے وہ اس وقت زندہ رہتے جب تک اپنے پیروں سے قبر کھود کر باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے شکرانے میں تفسیر بیضاوی لکھی۔ واللہ اعلم۔

۳۔ تیسری قسم ایسے مردوں کی ہے جو برف کے نیچے دب کر مر جاتے ہیں۔ ان کی لاش دائر برابر برف سے ڈھکی رہتی ہے محفوظ رہتی ہے موجودہ سائنس نے ان کی حیات مستعار واپس لانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور کامیابی بھی ایسی کہ جتنی مدت وہ برف میں دبا رہے۔ وہ مدت اس کی اصلی عمر سے خارج ہوتی ہے۔ یعنی فرض کیجئے ایک شخص کی طبعی عمر اسی سال تھی۔ اور وہ بیس سال کی عمر میں برف کے نیچے دب کر مر گیا اور ساٹھ سال کے بعد اسے نکال کر زندہ کیا گیا۔ تو ان ساٹھ سالوں کے بعد اس کی عمر طبعی ۸۰ سال کی نہ ہوگی بلکہ بیس سال کی عمر سے اس کی زندگی شروع ہوگی اور وہ مزید ساٹھ سال زندہ رہے گا۔

۴۔ چوتھی قسم اس مرنے والے کی ہے جو سانپ کے کاٹنے سے مرجاتا ہے سانپ ایسا شدید قسم کا زہریلا نہ ہو جو واقعی زندگی کو ختم کردے تو صرف اتنا ہوتا ہے مارگزیدہ پر موت جیسی غنودگی طاری ہوجاتی ہے۔ بہ ظاہر تمام آثار حیات ختم ہوجاتے ہیں مگر وہ اس وقت تک زندہ ہونے کے قابل رہتا ہے۔ جب تک اس کے منہ، ناک یا کان سے خون نہ بہنے لگے۔ مارگزیدہ کے معاملے میں بعض ایسی باتیں اس دنیا میں موجود ہیں جہاں ہماری مادّی سائنس ابھی تک نہیں پہنچ سکی۔ یعنی بعض روحانی اعمال (سفلی ہوں یا علوی) ایسے موجود ہیں جن سے مرے ہوئے مارگزیدہ کو نعمت حیات سے نواز دیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کے نواب مُنّے مرحوم کے محیّر العقول کرشمے دیکھنے والے بے شمار انسان اب بھی موجود ہیں۔ ان کا مفصل ذکر اگر یہاں کریں تو یہ ایک الگ مضمون ہوجائے گا۔ اس لئے اسے ہم سردست دوسری صحبت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ ہندو قوم اپنے مُردوں کو جلا دیتی ہے۔ جس کے بعد حیاتِ ثانیہ کی توقع ختم ہوجاتی ہے۔ مگر مارگزیدہ کو وہ نہیں جلاتی۔ بلکہ بہا دیتی ہے۔ جس میں غالباً یہی نکتہ ہے کہ شاید کوئی واقف کار زندہ کرلے

۵۔ ایک پانچویں قسم اور بھی ہے جس میں ڈوبنے والے کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ مختلف تدبیروں سے ان کا پانی نکال دینے کے بعد یہ مرنے والے بھی زندہ ہوجاتے ہیں۔

ان تمام اقسام کے لکھنے سے ہماری غرض صرف یہ بتانا ہے کہ کچھ مرنے والے تو فی الواقع مرجاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عارضی موت مرتے ہیں جن میں سے کچھ کو زندہ کرلیا جاتا ہے اور کچھ از خود زندہ ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تدفین کا یقیناً کوئی ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ اگر یہ قبر میں زندہ ہوں تو انہیں باہر آنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اور وہ قبر کے اندر گھُٹ گھُٹ کر ایسی موت نہ مریں جس کے تصوّر سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ ہمارے ذہن میں اس کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر آتی ہیں:

ا۔ سب سے پہلے میّت کے متعلقین کو یہ اندازہ کرلینا چاہیئے کہ یہ مرنے والا کس قسم میں داخل ہے۔ آیا ان مرنے والوں میں ہے جن کو دوبارہ زندہ کرنا ابھی ہماری سائنس سے باہر ہے یا ان میں اس کا شمار ہے جن کی حیاتِ ثانیہ کا امکان موجود ہے اگر دوسری

شکل ہے اور اس میں تذبذب ہے تو ممکن ذرائع سے اس کی تحقیق کرالی جائے۔ اس کے بعد زندگی کی تدبیر یا انتظار کیا جائے۔ اگر ناکامی ہو جب بھی چونکہ امکان زندگی باقی ہے اس لئے اس کی تدفین میں احتیاط کرنی لازمی ہے۔ یعنی

۲۔ اس کی قبر زیادہ گہری نہ ہو۔ اور اس پر مٹی کا اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے کہ اگر وہ از خود زندہ ہو جائے تو اسے باہر آنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ یا

۳۔ قبر کے ایک حصے پر ایک ایسا شیشہ یا جالی لگا دی جائے کہ لاش تو محفوظ رہے لیکن بوقت ضرورت اسے باہر سے دیکھ کر اندازہ کیا جا سکے یا اندر سے اس کی آواز باہر سنی جا سکے یعنی اس وقت تک اسے پوری طرح دفن نہ کیا جائے جب تک مختلف علامات سے اس کی حیات ثانیہ کی امید ختم نہ ہو جائے۔ مجھے علم ہے کہ بعض اوقات مار گزیدہ کو جلد ہی قبر سے باہر نکال کر علاج کیا گیا اور وہ زندگی سے دوبارہ آشنا ہو گیا۔

اس طرح کی کوئی سی مناسب تدبیر کی جا سکتی ہے اور اس میں کوئی شرعی و عقلی قباحت نہیں بعض حضرات تو بہر حال اسے "مداخلت فی الدین" قرار دے کر مخالفت کریں گے۔ ایسے بزرگوں کے نزدیک تو لونڈیوں کے انسٹی ٹیوشن کو روکنا بھی مداخلت فی الدین ہے اور عائلی کمیشن کی رپورٹ کی بے سمجھے مخالفت کئے جانا بھی عین دین ہے۔ جاگیرداری عین دین ہے۔ لونڈیوں کو بلا نکاح اپنے ہاں رکھنا بھی عین اسلام ہے۔ تعدد ازدواج بلا شرط عین سنت ہے اور دلیل یہ کہ نکاح ایک عبادت ہے۔ غرض ان کو اس سے کوئی غرض ہی نہیں کہ قبر کی تاریکی میں کون گھٹ گھٹ کر مرتا ہے۔ اگر انسانی زندگی انہیں عزیز ہوتی تو پہلے جاگیرداری کو ختم کرتے جو بے شمار انسانوں کے لئے پیغام موت اور انسانیت کے لئے سامان ذبح ہے۔

رہے اہل اقتدار تو ان کو صرف اپنی ذات یا اپنی کرسی کی زندگی چاہیئے۔ جب زمین پر چلنے پھرنے والے عوام کی زندگی انہیں عزیز نہیں تو قبر میں دفن ہو کر دوبارہ زندہ ہو سکنے والوں کی زندگی سے انہیں کیا غرض۔

مزید واقعات

ابھی اس مضمون کی روشنائی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ۲۳ ستمبر کے "امروز" میں لاہور کی ایک خبر شائع ہوئی کہ، عبدالخالق نامی ایک ہفدہ (۱۷) سالہ بوڑھا قبر میں رکھے جانے کے بعد زندہ ہو گیا یعنی اس کی سانس چلنے لگی اور وہ ہسپتال لے جایا گیا وہاں وہ جاکر پھر مر گیا اور قبر میں دوبارہ اسی طرح سانس آنے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ یہ مرا نہیں ہے بلکہ اس پر ایک خاص قسم کی غنودگی طاری ہے اس کے بعد اس کا پھر انتقال ہو گیا پولیس کا انتظار کیا گیا اور ڈاکٹر نے جب پوری طرح موت کا فتویٰ دے دیا تو اس واقعی مرنے والے کو تیسری بار دفن کیا گیا۔ اس کے بعد ۲۶ ستمبر کے "امروز" میں ایک صاحب (شاہد صاحب لائل پور) کا ایک خط بعنوان بالا شائع ہوا۔ انہوں نے میری تجویز کی تائید فرمائی ہے۔ اور خود اپنے متعلق اس شبہے کا اظہار کیا ہے کہ میرے ساتھ بھی ایسا نہ ہو کہ قبر کے اندر زندہ ہو کر مرنا پڑے۔ اس کے بعد ۲۷ ستمبر کے امروز میں بھی لائل پور ہی کے ایک صاحب غلام حرفار (؟) نے بھی میری تجویز کی پرزور تائید فرمائی۔

میرا مضمون پڑھ کر جناب خلیفہ عبدالحکیم صاحب مرحوم نے ایک واقعہ سنایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دہلی کے ایک ہسپتال میں ایک لاوارث سادھو کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے لائی گئی۔ طالبات کو تعلیم دینے کے لئے خوب چیر پھاڑ کی اس دن شب کو تینوں طالبات نے ایک ہی قسم کا خواب دیکھا کہ وہ سادھو کہہ رہا ہے کہ "تم لوگوں نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ میں مرا نہیں تھا میں نے اپنی روح دماغ میں چڑھا لی تھی۔ اگر تم لوگ چیر پھاڑ نہ کر چکے ہوتے تو وقت پر وہ لوٹ آتی"۔

اس واقعہ کو سنتے ہی مجھے وہ واقعہ یاد آگیا کہ دہلی میں ایک سادھو نے اپنی روح اوپر چڑھا لی اور اسے زمین میں دفن کر کے اوپر سے سیمنٹ کر دیا گیا۔ پندرہ دن

Marfat.com

تک اس پر سپاہی کا پہرہ رہا۔ پھر اسے کھولا گیا تو وہ بالکل مردہ جیسا تھا۔ اس کے شاگردوں نے اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق ضروری تدبیریں کیں اور وہ زندہ ہو گیا۔ دہلی کے وائسریگل لاج میں اور سرکاری نگرانی میں یہ تماشا ہوا تھا اور اس کی پوری کیفیت ریڈیو سے نشر ہوئی تھی جہاں تک میری یاد کام کرتی ہے یہ سنہ ۳۰ء کے لگ بھگ کسی سنہ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ہی یہ سننے میں آیا کہ مدراس میں ایک مسلمان فقیر چالیس دن اسی طرح قبر میں بند رکھا گیا۔ اپنی روح کو خدا جانے کہاں غائب کر دیا تھا اس کے بعد اسے نکالا گیا اور ہدایت کردہ تدبیروں کے مطابق زندہ کر لیا گیا۔

ان واقعات سے ایک ایسی بات کا پتہ چلتا ہے جسے ہماری سائنس ابھی تک گرفت میں نہیں لا سکی ہے وہ یہ کہ اس قسم کے "بے روح جسم" خراب ہوتے ہیں نہ ان کو کیڑے کھاتے ہیں۔ ان کی زندگی خدا جانے کہاں چھپی ہوتی ہے اس کا اثر جسم پر اسی طرح قائم رہتا ہے جس طرح زندگی میں رہتا ہے۔ بظاہر دونوں لاشیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے تیسرے دن سے گلنی سڑنی شروع ہو جاتی ہے اور ایک دو ہفتے یا چالیس دن تک بھی زمین کے اندر محفوظ رہتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر دونوں ہی مردے ہیں لیکن ایک کی زندگی فی الواقع ختم ہو چکی ہوتی ہے اور دوسرے کے متعلق بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ قبل از وقت لیکن لاشعور

غالباً ۳۴ء کا واقعہ ہے کہ فیصل (عراق) نے خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبرئیل کو یہ فرماتے دیکھا کہ ہماری قبریں پانی آ جانے کی وجہ سے تکلیف دہ ہیں ہمیں یہاں سے نکالو۔ فیصل نے علماء سے مشورہ کیا اور انہوں نے جب اس خواب کے سچا ہونے کی تصدیق کی تو ایک دن ان کی قبریں کھودنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ فیصل اور خدا جانے کہاں کہاں کے نمائندے آئے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا مجمع ہو گیا۔ قبریں کھول گئیں تو ایک میں پانی آ چکا تھا اور دوسری میں آنے والا تھا۔ دونوں متبرک لاشیں بالکل صحیح سلامت تھیں انہیں باہر نکالا گیا اور ہوائی جہازوں نے پھول برسا کر اپنی عقیدت کی سلامی پیش کی۔ اس طرح شاہی اہتمام کے ساتھ انہیں ایک نئی

Marfat.com

کے فاصلے پر مسلمانِ فارسی کے مقبرے میں لے جاکر دوبارہ دفن کیا گیا۔

"دلائل الخیرات" کے جامع علامہ محمد بن سلیمان جزولی کی لاش ۷۷ سال کے بعد سوس سے اٹھاکر "مراکش" لے جائی گئی اور اس میں رائی برابر بھی تغیر نہ آیا تھا (یہ واقعہ "مطالع المسرات" میں لکھا ہے) اسی طرح ۱۹۳۰-۲۱ء کا واقعہ ہے کہ لکھنؤ کے محلے "سرکٹے نالے" میں ایک ٹیلے کی کھدائی کرتے ہوئے ایک پوری معطر لاش برآمد ہوئی جو "ملا عیوض" کی بتائی جاتی ہے جو کئی سو سال پہلے کے ایک مردِ غازی ہیں۔ غالباً یہ سیّد سالار مسعود غازیؒ کے ساتھیوں میں ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کسی لاش کا محفوظ رہنا بزرگ ہونے کی کوئی حتمی دلیل نہیں اور لاش کا نیست و نابود ہو جانا عدم بزرگی کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں کہنا صرف یہ ہے کہ ممی کئے بغیر بھی ایک لاش سینکڑوں سال تک محفوظ رہ سکتی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلاشبہ دوبارہ زندہ تو نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس کے اندر کوئی ایسی روح ضرور ہوتی ہے جو زندگی کی طرح جسم بے جان کو محفوظ رکھتی ہے۔ ان کے متعلق تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو دفن کرنے میں احتیاط کرنی چاہیئے لیکن جن کے متعلق دوبارہ زندہ ہونے کی توقع یا امکان ہو انہیں بلا تدبیر اور بلا تحقیق دفن کرنے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔

ابھی چند ماہ ہوئے کہ مراد آباد کی طرح سمن آباد میں بھی ایک مردہ زندہ ہو گیا۔ واقعات یوں ہوئے کہ ایک نوجوان لڑکی کو بجلی کی کرنٹ لگ گئی کوئی ٹیبل لیمپ تھا جو جو اس سے چمٹ گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ سانس بند، نبض ساقط اور دل کی دھڑکن غائب ہو گئی حسن اتفاق سے جناب غلام نبی خاں صاحب (۴۔ ایف سمن آباد) وہاں پہنچ گئے اور کوئی آدھ گھنٹے میں اس کو زندہ کر لینے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک عمل ہے جسے مصنوعی تنفس (ARTIFICIAL RESPIRATION) کہتے ہیں۔ ہسپتالوں میں ہر آئے دن آپ اس کے کرشمے دیکھ سکتے ہیں کہ ایک بالکل مردہ بچہ پیدا ہوا اور اسے آکسیجن بکس میں رکھ دیا گیا۔ اور گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد وہ جیتا جاگتا باہر نکال لیا گیا۔

ہماری غرض صرف یہ ہے کہ انسانی جان کی قدر و قیمت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ کم از کم اس حد تک جس حد تک ہماری موجودہ سائنس کی رسائی ہو چکی ہے اس کے بعد اگر کوئی ہلکا سا امکان بھی دوبارہ زندہ ہونے کا موجود ہو تو اسے اس وقت تک پوری طرح سے دفن نہ کیا جائے جب تک یہ امکان ختم نہ ہو جائے

ہمارے ایک بزرگ حافظ سید عبدالرحمان صاحب نے مولانا ذکاء اللہ مرحوم کے ایک بہت قدیم لیکچر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

ایسی کئی کھلی ہوئی قبریں دیکھی گئی ہیں جن میں انسانی پنجر بیٹھے ہوئے ملے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبر میں زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے اور اسی حالت میں ہول سے یا گھٹ کر بیٹھے بیٹھے مر گئے۔ نیز بعض قبروں میں مٹی کے ڈھیر ایک طرف نظر آئے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اندر سے مٹی کھود کر باہر نکلنے کی کوشش کی گئی

ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس طرح کی بے کسی کی موت کا انسداد ہو خواہ کوئی سی بھی مناسب تدبیر اختیار کی جائے۔

Marfat.com

اِسلامی جمہوریت کا مطلب

"اسلامی جمہوریت" کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے دو چیزوں کا تجزیہ ضروری ہے۔ ایک خود اسلام کا مفہوم، دوسرے جمہوریت کا مطلب۔ منیر رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر "مسلمان" کی تعریف پر متفق نہ ہو سکے۔ اس لئے یہ بخوبی ممکن ہے کہ اسلام کی منطقی تعریف پر بھی اتفاق نہ ہو سکے۔ بلکہ عملاً صورت حال بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ ہر فرقہ اپنے "مذہب" کو اسلام کہتا اور سمجھتا ہے اور بہت سے دوسرے فرقوں کے مسلک کو کفر یا قریب بہ کفر خیال کرتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ہر فرقے کا اسلام الگ ہے اور جس فرقے کی کسی رسم پر زد آئے اسی وقت کم از کم اس فرقے کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے

اسلام دراصل مجموعہ ہے دو چیزوں کا۔ ایک ہے دین اور دوسری شریعت۔ دین کی تعریف قرآن میں یوں ہے:

فاقم وجهك الدين حنيفا ؕ فطرت الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ، ذالك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ۝

اپنا رخ یکسو ہو کر دین کی طرف قائم رکھو اللہ کی اس فطرت پر غور کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے خدا کے قانون خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی دین قیم ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اتنی بات کو بھی نہیں سمجھتے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قانون خلق اور قانون فطرت (LAW OF NATURE) غیر متبدل چیز ہے۔ اسی طرح دین قیم بھی چند ایسے اصول زندگی کا نام ہے جن میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن زندگی کو ہمیشہ نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مسائل حیات کو حل کرنے کے لئے جو قوانین ہوں گے۔ وہ ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتے ہر قانون نئے تقاضوں کے بعد اپنی شکل بدلے گا۔

دائمی اور متغیر حصے

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح انسان تغیر و ثبات دونوں کا مجموعہ

Marfat.com

ہے ـــ اس کی "انا" دائمی اور جسم ہر آن متغیر ہے ـــ اسی طرح معاشرۂ انسانی کے آئین بھی ایسے ہونے چاہئیں جن میں تغیر اور ثبات دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ اسلام اسی لئے ایک کامل و مکمل نظریۂ زیست ہے کہ اس میں دونوں باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایک حصہ ہے غیر متبدل، جسے دین کہتے ہیں اور دوسرا حصہ ہے متغیر جس کا نام شریعت ہے۔

دین صرف ایک رجحان (ATTITUDE) کا نام ہے اور شریعت اسی رجحان کی تشکیل کو کہتے ہیں۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قانون تو شریعت ہے اور اس کی روح (SPIRIT) دین ہے۔ دین کو بدلنے کا تو کسی کو اختیار ہی نہیں لیکن شریعت کی صورت یہ ہے کہ یہ بدلتے ہوئے کے تقاضوں کے مطابق بدل سکتی ہے لیکن اس تبدیلی کی صورت یہ ہوگی کہ:

۱۔ پہلے دور کی شریعت کے جس حصے کو بدلنے کی ضرورت نہیں وہ علیٰ حالہٖ باقی رکھا جائیگا
۲۔ جس میں ترمیم کی ضرورت ہوگی وہاں ترمیم کر دی جائے گی۔
۳۔ جس حصے کو ختم کرنے کی ضرورت ہوگی اسے ختم کر دیا جائے گا۔
۴۔ اور جس نئے اضافے کی ضرورت ہوگی اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

یہ سب کچھ بہ ضرورت کیا جائیگا۔ بلا ضرورت نہیں ہوگا اور پھر یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی دین یعنی اصلی رجحان یا اسپرٹ ہر جگہ ایک ہی باقی رہے گی اور اس میں کوئی تغیر نہ ہوگا۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک معالج کا اصلی و مرکزی رجحان یہ ہوتا ہے کہ مریض تندرست ہو جائے۔ اس اعلیٰ مقصد کے لئے وہ کبھی تو مریض سے فاقہ کرائے گا اور کبھی اسے غذا دیگا کبھی ایک غذا دیگا کبھی دوسری۔ کبھی ایک دوا پلائے گا کبھی دوسری۔ کبھی اسے لیٹے رہنے کی ہدایت دیگا کبھی ٹہلنے کا مشورہ دیگا۔ دیکھنے میں یہ سب متضاد باتیں ہونگی لیکن مقصد ہر ایک کا یکساں ہے۔ ـــ مریض کی تندرستی و توانائی ـــ بس یوں ہی سمجھ لیجئے کہ توانائی تو دین ہے اور اس کے حصول کے جتنے بھی طریقے ہیں وہ سب شریعت ہیں۔ پہلی چیز غیر متغیر ہے اور دوسری متبدل (بہ ضرورت)

تجدید کا کام کون کرے؟

اب سوال یہ ہے کہ کسی دور کی شریعت میں تجدید کا کام کون کرے اور اس ضرورت کا

Marfat.com

احساس کون پیدا کرے؟ نہیں سے اسلام کے دوسرے جز یعنی جمہوریت کا تجزیہ شروع ہوتا ہے اس شرعی و قانونی تبدیلی کا جو قاعدہ قرآن نے بتایا ہے وہ یوں ہے کہ:

وشاورھم فی الامر — اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرو۔

وامرھم شوریٰ بینھم — اہم معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں۔

یہاں ہم نے امر کا ترجمہ "اہم معاملات" کیا ہے کیونکہ ہر ہر جز میں ہر وقت مشورہ کرنا نہ فقط دشوار ہے بلکہ بعض اوقات مضر بھی ہے اس لئے مشاورت کے باوجود امیر کو بعض اوقات اختیار خصوصی سے بھی کام لینے کی اجازت ہے کیونکہ

۱۔ بعض اوقات تنگیٔ وقت مشاورت کا موقعہ نہیں دیتی اگر اس وقت مشاورت ہونے لگے تو جس مقصد کے لئے مشورہ ہوگا اس مقصد کا وقت ہی نکل جائے گا۔

۲۔ بعض اوقات سیاسی و جنگی راز داری بھی مشاورت باہمی سے مانع ہوتی ہے۔

۳۔ بعض اوقات امیر اپنی بصیرت سے سمجھ لیتا ہے کہ مشاورت کا آخری نتیجہ یہی نکلے گا جس کا نفاذ ضروری ہے۔

۴۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشاورت سے کوئی معاملہ اور زیادہ الجھ کر رہ جائے۔

غرض ایسے کئی مواقع آ سکتے ہیں جہاں اختیار خصوصی سے کام لینا پڑے اور یہ اصول جمہوریت کے خلاف نہیں کیونکہ اس اختیار کو کام میں لانے کا اختیار جمہور ہی اس کے سپرد کرتا ہے۔ عہد نبوت اور عہد خلفائے راشدین میں جہاں شوریٰ کی نظیریں ملتی ہیں وہاں اختیار خصوصی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اسلامی جمہوریت میں "یک و پنجاہ بمقابلہ پنجاہ" والی جمہوریت نہیں۔ جہاں صرف سر گن کر فیصلہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریت میں "آمریت" کی تھوڑی لچک بھی موجود ہے۔ یہ انداز آمریت صرف اس خلا کو پُر کرنے کے لئے ہے جو عام جمہوریت میں پائی جاتی ہے۔ لفظ امیر میں خود ہی ایک مفید پہلو آمریت کا موجود ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آمریت کے بغیر جمہوری رجحان مکمل نہیں ہوتا۔ اسے یوں سمجھئے کہ جنگ کے بغیر امن قائم نہیں ہوتا۔ قتال فی سبیل اللہ اپنے ہزار فضائل و مناقب کے باوجود کوئی آئیڈیل نہیں۔ صرف ایک ذریعہ ہے۔ مقصد تو امن ہے اور قتال اسی مقصد کے حصول کے لئے ایک ناگزیر علت ہے

بعینہٖ اسی طرح آمریت کوئی مقصد نہیں، مقصد جمہوری شعور پیدا کرکے پورے نظام زندگی کو جمہوری بنا دینا ہے لیکن بعض اوقات یہ شعور پیدا کرنے کے لئے کچھ آمرانہ دباؤ کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس میں شک نہیں کہ اس غیر مقصود وسیلے (آمریت) سے بہت سے مسلمان امرا نے بالکل ناجائز فائدہ اٹھایا ہے لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسے بہت سے لوگوں نے محض خونریزی اور فتوحات کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لیا۔ ہم نے جہاں تک غور کیا ہے آمریت کی نظیریں خلافتِ راشدہ میں ملتی ہیں لیکن اسکا انداز یہ تھا کہ آمریت رفتہ رفتہ کمزور ہوتے ہوتے ختم ہو جائے اور اسی نسبت سے جمہوری شعور پختہ ہو کر مکمل ہو جائے۔ اور اس کی مثال قوانین غلامی جیسی ہے جس کا مقصد غلامی کی توثیق (CONFIRMATION) نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ رفتہ رفتہ غلامی کا وجود کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جائے اور اسی تناسب سے حریت بروئے کار آتی جائے اور ایک مقام ایسا آئے۔ جہاں ہر انسان آزاد ہو اور غلامی کی رسم ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے بس کچھ ایسی ہی شکل اسلام میں آمریت و جمہوریت کی بھی ہے۔

کہنا یہ تھا کہ حالات و مقتضیات کے بدلنے کے بعد جہاں جہاں شرعی و قانونی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو وہاں جمہوری فیصلے اور کہیں کہیں آمرانہ انداز سے بھی یہ تبدیلی کر لی جائے گی۔ یہاں جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ رائے دینے میں ہر فرد مملکت حصے دار ہو مگر ایک ملک کے کروڑوں افراد ہر وقت ہر معاملے میں نہ رائے دینے کے اہل ہوتے ہیں اور نہ ہر ایک فرد ہر موقعے پر بروقت پہنچ سکتا ہے اس لئے لازماً اس کا قابل عمل اور بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ چند منتخب احباب — اہل حل وعقد — کی نمائندگی پر اعتماد و اکتفا کیا جائے۔ آپ اسے اسمبلی کہہ لیجئے یا مجلس قانون ساز یا مجلس شوریٰ۔ اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دینی رجحان کو بہر حال قائم رکھتے ہوئے عصری تقاضوں کے مطابق قوانین بنائے۔

چند جمہوری اصلاحات

اگر ہم اپنی مملکت پاکستان کی مجالس آئین ساز پر نگاہ تنقید ڈالیں تو محض انگریزی طرزِ

Marfat.com

حکومت کی یادگار نظر آئے گی۔ اسلامی دستور ہونے سے لفظی تغیر تو آگیا لیکن ڈھانچہ وہی انگریزی ہے جس میں بہت عناصر و اجزا خلاف عقل اور خلاف عدل، اس لئے غیر اسلامی ہے۔ ہم اجازت چاہتے ہیں کہ ذرا صاف صاف اس لفظی اور مہمل رائج الوقت جمہوری نظام پر تنقیدی نظر ڈال کر کچھ اصلاحی تجاویز پیش کردیں۔ بعض تجاویز ایسی ہیں جن کو دفعتہً رائج کرنا مشکل ہونے کے علاوہ شاید دوسرے فتنوں کا سبب بن جائے۔ جہاں ایسا نظر آئے وہاں ہماری تجاویز کا مقصد فوری نفاذ نہیں بلکہ تدریجی نفاذ سمجھئے۔

۱۔ سب سے پہلے تو اس شخص کو کبھی رکن اسمبلی نہ بنایئے جو خود امیدوار ہو اور اپنے آپ کو نہ فقط پیش کرے بلکہ اس کے لئے جدوجہد، پراپیگنڈا اور سازشیں کرتا پھرے خلافت راشدہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ اپنے آپ کو خود کسی نے کسی عہدے کے لئے پیش کیا ہو۔ بلکہ احادیث میں تو اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح وزارت کے خواہشمند کو ہرگز وزیر نہ بنایئے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

انا واللہ لا نولی ھذا العمل احدا سألہ او احدا احرص علیہ (رواہ الشیخان وابو داؤد والنسائی عن ابی موسیٰ)

خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو اس عہدے (امارت) پر مقرر نہ کریں گے جو اسکی طلب یا حرص رکھتا ہو

ہماری موجودہ جمہوریت میں کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ اگر کوئی اہل امیدواری کا کاغذ نہ داخل کرے تو اسے نہ رکنیت مل سکتی ہے نہ وزارت۔ اور کوئی نااہل سازشی کاغذات امیدواری داخل کر کے اپنی تمام ابلیسانہ کارروائیوں سے ووٹ حاصل کرے تو وہ وزیر تک ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

۲۔ زرِ ضمانت داخل کرنے کی قید بالکل اڑا دینی چاہیئے۔ زرِ ضمانت کی قید کا یہ مطلب ہوا کہ نااہل بھی اگر زرِ ضمانت داخل کر دے تو وہ رکن اسمبلی اور پھر وزیر بن سکتا ہے۔ اور کوئی اہل اگر غریب ہو تو وہ تمام عمر یوں ہی بیٹھا رہے گا۔

۳۔ عدل کا تقاضا ہے کہ جس طبقے کا جو تناسب آبادی ہو اسی تناسب سے اس کی نمائندگی بھی ہونی چاہیئے۔ مثلاً اگر پانچ فیصد جاگیردار، پندرہ فی صد تاجر، چالیس فیصد کاشتکار، چالیس فیصد مزدور وغیرہ وغیرہ ہوں تو اسی تناسب سے اسمبلی میں

ان کی نمائندگی بھی ہونی چاہیئے۔ یہ کیا عدل ہے کہ پانچ فیصد جاگیردار پچانوے فیصد غیر جاگیردار کے خودساختہ نمائندے بن جائیں؟ اور بعض طبقوں کی سرے سے نمائندگی ہی نہ ہو؟

۴۔ اسمبلی کی کسی تجویز کی بحث میں صرف وہی طبقہ حصہ لے جس کا تعلق اسی بحث سے ہو یا جس کا دوسرے طبقوں کے مفاد پر اس کا ڈائرکٹ اثر پڑتا ہو۔ معاملہ ہو تعلیم کا اور بحث کرے وہ نان میٹرک تاجر جو اپنے روپوں کے بل پر رکن بن گیا ہو۔ یہ بات ذرا غور طلب ہے۔

۵۔ وزیروں کی تنخواہ اور معیار زندگی ایک محض معمولی آدمی کے برابر رکھی جائے اور صرف اسی کو وزیر بنایا جائے جو قوم کے لئے اعلیٰ ایثار کا ثبوت دے چکا ہو۔ مثلاً اپنی ساری دولت قوم کے لئے وقف کر چکا ہو۔ خلفائے راشدین میں کسی کا معیار زندگی ایک عام آدمی سے زیادہ نہ تھا اور ان کی ساری دولت قوم کے لئے وقف تھی اپنی دولت سے انہوں نے عیش حاصل کرنے کا کام کبھی نہیں لیا (معیار زندگی میں مکان، لباس، خوراک وغیرہ سب داخل ہیں)، جس شخص نے ایثار قومی کا کوئی عملی ثبوت نہ دیا ہو اس کے متعلق یہ خوش گمانی کیونکر ممکن ہے کہ وہ رکن اسمبلی یا وزیر ہونے کے بعد افراد قوم کے مفاد کو پیش نظر رکھے گا اور صرف اپنا مفاد اس کے پیش نظر نہ ہوگا؟

یہ صرف چند اسلامی تجاویز ہیں۔ ابھی اور بھی بہت سی تجویزیں ذہن میں ہیں لیکن ہر وقت سب کا ذکر ضروری نہیں اگر سردست ان ہی پانچ اسلامی تجاویز کو اپنا لیا جائے تو اسلامی جمہوریت کا ایک اچھا نمونہ قائم ہو سکتا ہے۔ صرف اسلامی دستور کا ڈھول پیٹنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

تمام ذرائع پیداوار پر سب کا مشترک حق

ایک ضروری نکتہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جمہوریت کا مفہوم محض اتنا نہیں کہ رائے دینے، ووٹ بھگتانے یا ہاتھ اٹھانے کا حق سب کو یکساں حاصل ہے۔ یہ تو محض ایک ابتدائی قدم ہے۔ اصل جمہوریت یہ ہے کہ بیلٹ بکس میں پرچی ڈالنے کے حق ہی تک محدود نہ ہو بلکہ زندگی کے تمام مضمرات و ممکنات میں ہر فرد ملت کو یکساں حق حاصل ہو۔

ہر شخص کی مادی اور روحانی ضرورتیں یکساں پوری ہوں اور کوئی محتاج نہ رہے۔ ہر فرد کو تعلیم علاج اور انصاف کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ ہر شخص کو حریت ضمیر میسر ہو۔ ہر انسان کے لئے ترقی کی سہولتیں یکساں مہیا ہوں۔ آقائی و محکومی کا فرق، امیر و غریب کا امتیاز، نسل، وطن زبان، رنگ، دولت اور پیشے کی تفریق سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور مدارج کے فرق کا معیار صرف کردار، سیرت اور اخلاقی اقدار ہی رہیں۔ اس مقصد کے لئے کچھ قانونی دباؤ اور زیادہ اخلاقی تربیت کے ذریعے قوم کو ایسے مقام پر لا کھڑا کرنا ہوگا جہاں ملکیت ذاتی کا تصور ختم ہو جائے یہ کوئی انصاف و عقل کا تقاضا نہیں کہ ایک طرف تو تمام ضروریات زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری اہل حکومت پر ڈال دی جائے اور اسی سانس میں یہ بھی کہہ دیا جائے کہ لامحدود زمین اور دوسرے وسائل پیداوار پر انفرادی ملکیت عین اسلام ہے۔ ہم اپنے قول کو پھر دہراتے ہیں کہ جمہوریت کا مفہوم صرف رائے دینے کے حق تک محدود نہیں۔ جمہوریت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ زمین، کارخانے اور تمام ذرائع پیداوار پر بھی ہر فرد کا ویسا ہی حق مشترک ہو۔ جس طرح اسے رائے دینے، ہاتھ اٹھانے اور پرچی ڈالنے کا حق ہے۔

Marfat.com

پیغامِ ابوذرؓ

ابھی صرف چار شخص ایمان لائے تھے۔ ابوبکرؓ، علیؓ، زیدؓ اور خدیجہؓ، اور پانچویں کا انتظار تھا۔ یہ پانچواں مردِ مومن ابوذر غفاریؓ ہے جو جنادہ بن کعب کے صلب اور رملہ بنت رقیعہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کی فطرت سلیمہ نے پہلے ہی اپنے قبیلے کے پیشہ رہزنی سے توبہ کرادی تھی۔ اس مردِ مومن کا فقر، درویشی، عشقِ رسولؐ، توکل اور قناعت اس درجے کا تھا کہ زبانِ رسالتؐ سے ایک ایسی بشارت اس کے حق میں نکلی جو کسی اور کے لئے نہ نکلی۔ ارشاد ہوا:

ما اظلت الخضراء	آسمان کسی ایسے شخص پر سایہ فگن نہیں ہوا اور زمین نے
وما اقلت الغبراء اصدق لهجة	کسی ایسے شخص کو اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھایا جو
من ابی ذر.... (ترمذی عن انس)	ابوذر سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو۔

ان کی سچی زبان کا صحیح اندازہ اس وقت ہوا جب فتوحات نے اور کاروبار کی فراغتوں نے مسلمانوں کو بے انتہا دولت کا وارث بنا دیا۔ دولت کی فراوانی غیر محسوس طریقہ سے اخلاق و عادات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دولت کی ہوس اور [illegible] چلی جاتی ہے۔ انسانیت کے تقاضے فراموش ہونے لگتے ہیں۔ قتل پر داد تحسین رہتی۔ اور اصل نصب العین آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتا ہے۔ ابوذرؓ نے سیدنا عمرؓ کے بعد ہی سے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ لوگ مال و دولت سمیٹنے لگے ہیں جاگیریں بننے لگی ہیں۔ خزانے پُر ہونے لگے ہیں اور محلات و قصور بننے لگے ہیں اور اگر یہی حال رہا تو یہ خدا پرست قوم زر پرست بن کر رہ جائے گی دولت سمٹ کر آنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آسمان سے روپے برستے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی بہت سی جیبیں خالی ہو جاتی ہیں اور صرف گنتی کی چند جیبیں پُر ہو جاتی ہیں

Marfat.com

مال و دولت سمیٹنے کے اس تباہ کن جذبے کا آغاز ہوا ہی تھا کہ حضرت ابوذرؓ میدان میں آگئے۔ انہوں نے فرمایا کہ

اے مسلمان بھائیو! تمہارے مکان، لباس، خوراک اور معاشی زندگی میں وہ سادگی نہیں رہی۔ تم نے دولت جمع کرنی شروع کر دی ہے۔ خدا نے تمہیں دولت اس لئے دی تھی کہ خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور دوسرے حق داروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ مگر تم اسے صرف اپنے عیش و آرام میں صرف کرنے لگے ہو۔ جو سیم و زر اندوختہ کرتے ہیں اور اسے راہ مولا میں صرف نہیں کرتے انہیں سخت سزا کی خوشخبری سنا دو۔ اس دن ان کے سونے چاندی کو آگ پر تپا کر ان کی پیشانی پہلو اور پشت کو داغا جائے گا کہ یہ کچھ تم نے اندوختہ کیا تھا۔ لہذا اپنی اندوختگی کا مزہ چکھو۔"

ابوذر کی سچی زبان سے یہ سچا پیغام نکلتے ہی بے مایہ انسانوں کا ہجوم ان کے گرد جمع ہونے لگا۔ اور سرمائے داروں کا ماتھا ٹھنک گیا۔ مناظرے ہوئے، مباحثے ہوئے۔ گفتگوئیں ہوئیں، لالچ دیا گیا، دھمکایا گیا، آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ سب کچھ ہوا مگر ابوذر کو اپنے مقام سے ایک انچ بھی کوئی نہ ہٹا سکا۔

ایک واقعہ آزمائش کا بھی سن لیجئے۔ امیر معاویہ نے ایک دن کسی کے ہاتھ ایک ہزار دینار (پونڈ) سیدنا ابوذرؓ کے پاس بھیجے کہ یہ آپ کے اخراجات کے لئے ہیں۔ شام کے وقت قاصد پہنچا اور تھیلی دے کر واپس آگیا۔ دوسرے دن اسی قاصد کو امیر معاویہ نے یہ سکھا پڑھا کر بھیجا کہ تم کہنا کہ وہ دینار دراصل کسی اور کے لئے بھیجے گئے تھے اور میں نے غلطی سے آپ کو دے دئے۔ لہذا اسے واپس کر دیجئے ——— امیر معاویہ نے یہ حرکت اس لئے کی تھی کہ ایک ہزار دینار کوئی بھی ایک دو دن میں تو خرچ کر نہیں سکتا۔ لہذا دوسرے دن اگر ابوذرؓ کے پاس وہ دینار موجود ہوئے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ حضرت آپ تو ایک رات کے لئے بھی سونا چاندی اپنے پاس اندوختہ کرنا حرام سمجھتے ہیں۔ پھر یہ دینار آپ نے کیوں رکھ چھوڑے ہیں؟ ——— مگر جب قاصد وہ دینار واپس لینے آیا تو سیدنا ابوذرؓ نے فرمایا کہ وہ تو صبح ہونے سے پہلے ہی ہم نے مستحقین میں تقسیم کر دئے۔ اگر چند روز کی مہلت دو تو میں اسے واپس کرنے

Marfat.com

کا کوئی بندوبست کردوں گا۔ قاصد جب یہ پیغام لے کر امیر معاویہ کے پاس واپس آیا تو ان کی زبان سے بے ساختہ پہلا جملہ یہ نکلا کہ:

"واقعی ابوذر سچا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اسی پر عمل کرتا ہے"

یہی سچائی ابوذر کو کھا گئی۔ اور ان ہی امیر معاویہ نے ان کی شکایتیں لکھ کر دربارِ خلافت عثمانی میں بھیجیں۔ شکایات کا خلاصہ یہ تھا کہ ابوذر غربا کو امراء کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ وہاں سے طلبی ہوئی۔ ابوذر مدینے پہنچے اور وہاں بھی غریبوں کا ہجوم ان کے گرد جمع ہونے لگا۔ اور ان کا پیغام پھیلنے لگا۔ مسجد نبوی میں کعب احبار سے مکالمہ ہوا۔ کعب احبار نے انفرادی ملکیت اور غیر محدود مال و دولت کے جواز کی وہی دلیل دی جو آج جاگیرداری کی حمایت میں بعض علمائے کرام دیتے ہیں یعنی:

۱۔ اگر زکوٰۃ و عشر نکال دیا جائے تو جتنا سرمایہ اور جتنی زمین رکھی جائے، جائز ہے۔

۲۔ اگر ملکیت ذاتی کو تسلیم نہ کیا جائے تو قرآنی قانون وراثت کا کیا مصرف رہ جائے گا۔

ان علمائے کرام کو کون سمجھائے کہ فقہی قانون زکوٰۃ صرف ایک ابتدائی قدم ہے انفاق فی سبیل اللہ کی طرف۔ قرآن اسی راہ سے رفتہ رفتہ اس منزل پر لانا چاہتا ہے جہاں صرف "انفاق عفو" کا قانون رہ جاتا ہے اور باقی سب نیچے درجے کے قوانین زکوٰۃ و عشر ختم ہو جاتے ہیں۔ قرآنی قانونِ زکوٰۃ کا یہ مطلب ہی نہیں کہ ہمیشہ ایک طبقہ سرمایہ دار اور دوسرا بھیک منگا رہے۔ بلکہ اس کا مقصد ایسی معاشی ہمواری پیدا کرنا ہے کہ محتاجی معاشرے سے ختم ہو جائے۔ کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔ نہ زکوٰۃ لینے والا کوئی رہے نہ دینے والا۔ خشک فقیہوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آتا۔ مگر کاش وہ صرف اتنا دیکھ لیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی زکوٰۃ ادا نہیں فرمائی۔ یہی آئیڈیل ہے جہاں تک اُمت کو کھینچ کر لانا ہے۔ زکوٰۃ تو وہ ادا کرے جو سال بھر کوئی مال اندوختہ رکھے۔ جس رسولؐ کے پاس صبح آیا ہوا مال شام ہونے سے پہلے پہلے تقسیم ہو جائے۔ اس کے لئے زکوٰۃ

Marfat.com

نکالنے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے ؟

پھر ان علمائے کرام کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ قرآن کا قانونِ وراثت کسی ملکیت کی توثیق (CONFIRMATION) کے لئے نہیں بلکہ بتدریج ملکیت کو ختم کرنے کے لئے ہے ۔ بڑی سے بڑی جاگیر بھی دو ایک پشت پر قانونِ وراثت سے ختم ہو جاتی ہے یہ شبہ بے معنی ہے کہ اگر انفرادی ملکیت اور جاگیرداری کو شرعاً صحیح نہ تسلیم کیا جائے تو قرآن کا قانون وراثت ختم ہو جائے گا ۔ ختم نہیں ہوگا بلکہ قرآن کا عین منشا پورا ہو جائے گا ۔ ورنہ کل کلاں کو آپ یہ بھی دعوٰے کریں گے کہ معاشرے میں چوری اور بدکاری کو ضرور باقی رہنا چاہیئے ورنہ قرآن کی حدود اور تعزیرات ختم ہو جائیں گی ——— سوال یہ ہے کہ اگر دنیا سے چوری اور بدکاری ختم ہو جائے اور ہاتھ کاٹنے اور کوڑے لگانے کا قرآنی قانون بے مصرف ہو جائے تو اس سے قرآنی قانون ختم ہوگا یا عین منشائے قرآنی پورا ہوگا ؟ اسی طرح اگر رسمِ غلامی کی لعنت دنیا سے ختم ہو جائے تو اس سے قرآنی قانون متعلقہ غلامی ختم ہوتے ہیں یا عین منشائے قرآن کی تکمیل ہوتی ہے ؟

بہرحال کعب احبار کی طرف سے اسی قسم کی دلیلیں پیش کی گئیں مگر ابوذر غفاری کے سامنے ان کی کیا چل سکتی تھی ؟ آخر وہی کچھ ہوا جو دلائل کی قوت نہ پاکر کیا جاتا ہے ۔ ابوذر کو ربذے میں نظر بند کر دیا گیا اور ساتھ ہی زبان بندی بھی کر دی گئی ۔ ربذے کے بیابان میں ابوذر نے اپنی بقیہ حیاتِ مستعار گزاری اور وہیں حضور اکرمؐ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ :

" ابوذر تنہا چلتا ہے ، تنہا ہی مرے گا ۔ اور تنہا ہی اٹھایا جائے گا "

جناب ابوذر کے سوانح زندگی نامکمل رہیں گے ۔ اگر ان کی زندگی کے آخری ایام کا حال نہ لکھا جائے ۔ ۳۲ھ کا آخری مہینہ تھا ۔ زائرانِ حرم پروانہ وار عازم سفر ہو چکے تھے ۔ ربذے کی تھوڑی سی آبادی بھی خالی ہو چکی تھی ۔ ابوذر کے جھونپڑے میں ان کی رفیقۂ زندگی اور ایک صاحب زادی رہ گئی تھیں ۔ لوگ حج بیت اللہ کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے ۔ اور ابوذر سفرِ آخرت کی تیاری کر رہا تھا ۔ رفیقۂ زندگی اپنی بے بسی دیکھ کر روئی تو

ابوذر نے رونے کی وجہ دریافت کی۔ بیوی نے جواب دیا کہ :

"نہ میرے پاس اتنا کپڑا ہے جس میں آپ کو کفنا سکوں اور نہ میرے بازوؤں میں اتنی سکت ہے کہ آپ کے لئے قبر کھود سکوں"

مرد مومن ابوذر بولے :

"اتنی سی بات کے لئے گریہ وزاری نہ کرو۔ سنو، میں ایک جماعت کے ساتھ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں ایک شخص ایک چٹیل میدان میں جان دے گا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شرکت کرے گا۔

اس وقت وہاں جتنے لوگ موجود تھے سب شہری آبادیوں میں وفات پا چکے اور اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں۔ جو اس میدان میں دم توڑ رہا ہوں۔ تم راستے پر نظر جمائے رکھو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ عنقریب ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگی۔ نہ تو میں غلط کہہ رہا ہوں۔ نہ مجھ سے غلط کہا گیا ہے۔

یہ غمزدہ بیوی سڑک پر جا کر انتظار کرنے لگیں۔ ذرا دیر کے بعد ہی ایک قافلہ دکھائی دیا۔ جس کے اونٹ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے چلے آرہے تھے یہ قافلہ ان کے پاس آکر رک گیا اور ان سے پوچھا کہ :

"مائی تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

انہوں نے جواب دیا کہ : ایک مرد مومن دم توڑ رہا ہے جس کی تکفین کا جسے تمہارے حصے میں ہے"

قافلے والوں نے پوچھا : وہ کون آدمی ہے ؟

وہ بولیں : ابوذرؓ۔

ابوذر کا نام سنتے ہی سب کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں۔ اس کے بعد لپکتے ہوئے خیمۂ ابوذر میں سب لوگ پہنچ گئے۔

ادھر تو یہ کچھ ہو رہا تھا کہ بیوی کو اپنے والے قافلے کے انتظار کے لئے سڑک پر روانہ کر دیا اور ادھر صاحبزادی سے ابوذر نے فرمایا کہ :

Marfat.com

"بیٹی ایک بکری ذبح کرلے اور جلد گوشت کی ہانڈی چولھے پر چڑھا۔ کچھ مہمان آنے والے ہیں میرے کفن دفن کے بعد ان سے کہنا کہ، ابوذر نے آپ سب کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ یہ نہ کھا چکیں اس وقت تک اپنی سواری پر سوار رہیں"

ابوذر کی یہ مہمان نوازی معاشیات کا آخری گرامدی درس تھا۔ بہرکیف اِدھر ہانڈی چڑھی اور اُدھر غمزدہ بیوی کے ساتھ قافلہ خیمۂ ابوذر میں داخل ہوگیا۔ ان مہمانوں کو دیکھ کر یہ چند منٹ کا مہمان ابوذر بولا:

"تمہیں مبارک ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جن کے متعلق حضورؐ نے خبر دی تھی۔ مگر تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری تکفین میں کوئی ایسا آدمی شرکت نہ کرے جو موجودہ حکومت کا مقرر کردہ چودھری یا امیر یا ڈاکیہ ہو۔

اتفاق سے اس قافلے میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی عہدے پر مامور نہ ہو صرف ایک انصاری نوجوان حکومت کی ملازمت سے بے تعلق تھا۔ اس نے کہا:

"میرے تھیلے میں دو کپڑے ہیں جو میری والدہ کے ہاتھ کے کتے بُنے ہیں:

چند سانسوں کے بعد رخصت ہونے والے ابوذر نے کہا:

"بس تو تم ہی میرے اصلی رفیق ہو" اس کے بعد فرمایا:

"میری میت کے غسل و تکفین کے بعد میرا جنازہ سڑک پر رکھ دینا۔ سواروں کی جو پہلی جماعت ادھر سے گزرے اس سے کہہ دینا کہ ایک صحابیِ رسولؐ ابوذر کا جنازہ ہے۔ تم بھی اس کی نماز اور دفن میں شریک ہو جاؤ۔

اس کے بعد اس سچی زبان والے کی زبان سے سب سے زیادہ سچی اور آخری بات یہ نکلی:

بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ۔

حسب وصیت جنازہ سڑک پر رکھ دیا گیا۔ کوفے سے عازمینِ حج کا ایک قافلہ احرام باندھے ہوئے ادھر سے گزرا۔ جس کے امیر الحاج سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوذرؓ کی میت دیکھ کر بولے کہ:

حضورؐ نے سچ فرمایا تھا کہ "ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا"

امام الفقہا ابن مسعودؓ نے جنازہ پڑھایا

حضرت عثمانؓ ذی النورین حج کے بعد ربذے کے راستے سے واپس ہوئے اور ابوذر کے اہل وعیال کو اپنے ساتھ مدینے لے آئے۔

سیدنا علی مرتضےٰ نے فرمایا:

رأیت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیت لابی ذر شبیھا۔

میں نے صحابۂ رسول کو دیکھا ہے لیکن ابوذرؓ جیسا منفرد انسان کہیں نظر نہ آیا۔

معرکۂ عقل و عشق

انسان جب آنکھیں کھولتا ہے تو اسے باہر ایک عجیب لامحدود کائنات نظر آتی ہے۔ پھر جب ذرا اپنے اندر غور کرتا ہے تو اسے وہاں بھی ایک لامتناہی دنیا دکھائی دیتی ہے۔ گویا کائنات دو حصوں میں منقسم ہے ایک بیرونی عالم اور دوسرے اندرونی دنیا قرآنی اصطلاح میں اوّل کو "آفاق" اور ثانی کو "انفس" کہتے ہیں (سنریھم ایتنا فی الآفاق و فی انفسھم) اس وقت عالم آفاق پر کوئی بحث کرنا مقصود نہیں۔ عالم انفس اپنے اندر بے شمار دنیائیں رکھتا ہے۔ ان سب پر گفتگو بھی اس وقت پیش نظر نہیں۔ صرف دو ایسے عالموں کو دیکھنا ہے جو انفس کی کائنات کے لئے بڑی اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا نام ہے عقل اور عشق۔

بسا اوقات عقل ایسا فیصلہ دیتی ہے جو عشق کے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے اور بیشتر ایسا بھی ہوتا ہے کہ عشق کے فیصلے سے عقل ابا کرتی ہے۔ لیکن یہ دونوں عناصر انسان کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ عقل نہ ہو تو زندگی کا کوئی پروگرام نہیں بن سکتا۔ اور عشق نہ ہو تو کسی پروگرام کی تکمیل کے لئے قدم نہیں اٹھ سکتا۔ تنہا تنہا دونوں ہی ناقص ہیں اور اگر دونوں میں حسین اور متناسب امتزاج ہو تو زندگی معراج حاصل کر لیتی ہے۔ عقل سارے کارخانۂ زندگی کو چلانے کا نقشہ بناتی ہے مگر یہ حیلہ گر ہوتی ہے، بہانہ جو ہوتی ہے ہر صحیح اور غلط کے لئے توجیہہ (JUSTIFICATION) تلاش کر لیتی ہے۔ بعض اوقات صداقت و حقیقت کا خون کر دیتی ہے۔ عشق ایک سمندر ہوتا ہے جذبات کا۔ یہی زندگی میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو عقل کے بنائے ہوئے سارے نقشے بیکار ہو جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ عشق اندھا ہوتا ہے۔ عشق کا وظیفہ عمل تو ہے۔ لیکن انتخاب راہ عشق کا کام نہیں۔ یہ وظیفۂ عقل ہے۔ آپ اپنے گھر کا بجٹ بناتے ہیں،

Marfat.com

عقل سے۔ اس میں بات عشق کا فرما نہیں ہوتے لیکن اپنی اولاد سے جو محبت کرتے ہیں وہ عقل کا تقاضا نہیں ہوتی یہ صرف ایک جذبہ ہوتا ہے عقلی موشگافیوں سے بالاتر۔ عقل قانون بناتی ہے جس کے بغیر معاشرہ برقرار نہیں رہ سکتا لیکن اقدار کی محبت عقلی قانون سے بلند تر ہوتی ہے۔ ضروری عقل بھی ہے اور عشق بھی اور قدر الاقدار یعنی خدا سے بندے کا تعلق کچھ ایسا ہونا چاہیئے جو عقلی بھی ہو اور عشقی بھی۔ انبیاء علیہم السلام نے ان دونوں راہوں سے چل کر حقیقۃ الحقائق (خدا) تک پہنچنے کا طریقہ بتایا ہے، سکھایا ہے اور عملی نمونہ دکھایا ہے۔ کیونکہ ایک کے بغیر دوسرا نامکمل ہوتا ہے۔ ہمیں تنہا عقل کے حوالے نہیں کیا گیا ہے اگر عقل محض کے سہارے چلنا کافی ہوتا تو رومی یہ کیوں کہتا؟

؎ می شناسد ہر کہ از سر محرم است زیرکی زابلیس و عشق از آدم ست

عشق ایک سرپٹ دوڑنے والا راہوار ہے اور عقل اس کی لگام۔ اگر یہ لگام نہ ہو تو راہوار کسی خندق میں جا گرے گا لیکن بعض اوقات عقل حیلہ گر خود ہی ایک جامد و ساکن راہوار بن جاتی ہے۔ پھر صرف عشق ہی ہوتا ہے جو مہمیز کا کام کرتا ہے۔ تکمیل مقصد نہ اس کے بغیر ہوتی ہے نہ اس کے بغیر۔ اس لئے اس کا حسین امتزاج یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں۔ عشق بھٹکے تو عقل لگام دے اور عقل سست گام ہو تو عشق مہمیز لگائے۔ عقل ایک صحیح راہ تجویز کرے اور عشق اس راہ پر چلائے۔ دونوں کے دلیفے الگ الگ مگر ایک ساتھ ہوں۔ یہ خلاصہ ہے تعلیمات انبیاء کا

قرآن پاک ایک طرف بار بار عقل کی دعوت دیتا ہے۔ لعلکم تعقلون افلا تعقلون مگر سارا معاملہ عقل پر ہی نہیں چھوڑتا وہ محبت کے جذبات کو بھی ابھارتا ہے۔ والذین امنوا اشد حبا للہ

حج اور اس کے مناسک ایسی عبادت ہیں جو دوسری عبادات کی طرح بے شمار عقلی عنصر رکھتے ہیں لیکن اس میں جذبۂ عشق کی جو آمیزش ہے وہ دوسری تمام عبادات سے زیادہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے حج سراپا تعلیم عشق ہے۔ عشق کا درس اور عشق کی مشق ہے۔

ملاحظہ فرمائیے اور ذرا ان سے ملیے۔ یہ کون صاحب ہیں؟ یہ ایک یورپین بندۂ خدا ہے فیشن کا دلدادہ، ہر روز بالوں کو سنوارنے والا، شیو کرنے والا، ٹائی، قمیص، کوٹ، پتلون کی ایک ایک سلوٹ کا خیال رکھنے والا۔ آج یہ اس کی کیا حالت ہے؟ اس کے بال اور ناخن بڑھے ہوئے ہیں۔ پہنے پرانی بوسیدہ کھونٹیاں نکلی ہوئی ہیں۔ بدن پر ایک بے ڈھنگا کپڑا لپیٹا ہوا ہے جو اس سے ٹھیک سے سنبھالا بھی نہیں

Marfat.com

جاتا۔ دُور سے دیکھنے والا اسے دیوانہ سمجھے گا۔ ہاں یہ واقعی دیوانہ ہے۔ یہ اپنے گھر بار کو اور سارے عیش و نعمت کو چھوڑ کر آیا ہے۔ اسے کسی نے کرایہ نہیں بھیجا تھا۔ یہ خود اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کرتا ہوا آیا ہے۔ سفر کی تمام صعوبتیں جھیلتا ہوا آیا ہے۔ اس کی شکل دیوانوں کی سی ہے۔ یہ دیوانہ ہے، اللہ کا دیوانہ، گھر سے چلتے وقت نہیں پہلے ہی سے اس کے دل میں لگن لگی اور یہ چل پڑا۔ عقل کہتی ہے کہ فیشن ایبل لباس پہن کر باہر جاؤ۔ ذرا اپنے بال سنوار لو۔ ناخن کتروا لو۔ عشق کہتا ہے کہ درس عشق لینے آئے ہو۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

یہاں دیوانگی کا سبق دیا جاتا ہے۔ دیوانے بن کر آؤ۔ عقل کے تقاضوں کو کچھ وقت کے لئے پس پشت ڈال دو۔

ذرا ادھر بھی دیکھئے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا دیوانہ پن ہے؟ اچھے خاصے پڑھے لکھے سنجیدہ متین پُر وقار قسم کے لوگ یہ کیا حرکت کر رہے ہیں؟ یہ اچھلتے کودتے، مونڈھوں کو ہلاتے دیوانوں کی طرح ایک گھر کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ کس کی تلاش میں ہیں؟ اس گھر کے اندر کون ہے جس کی لگن ان سب کو لگی ہے؟ اُن دیکھے شاہدِ مطلق کی محمل کے چاروں طرف مشاہدہ جمال کی جستجو میں دیوانہ وار پھر رہے ہیں۔ انہوں نے بارہا یہ مشاہدہ کیا ہے کہ جب شمع جلتی ہے تو پروانے اُسی طرح اس کے گرد تیزی سے چکر کاٹتے۔ آج اس وقت یہ اسی پروانگی کے سبق کو دہرا رہے ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ یہ بڑی غیر سنجیدہ حرکت ہے اور عشق کہتا ہے کہ یہاں وہی عقل، عقل ہے جو ہمارے پیچھے لگ کر دیوانی ہو جائے

ارے یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کفن بردوش، سرفروش، بے خرد و ہوش، پُر جوش و خروش کون لوگ گرد و غبار میں اَٹے، سردی گرمی سے بے فکر ہو کر میدانوں میں پڑے ہیں؟ ارے یہ کیا حرکتیں کر رہے ہیں؟ یہ تو دیوانوں کی طرح کنکریاں چن رہے ہیں۔ یہ سچ مچ مجنوں صفت، عاشق مزاج دیوانے تو نہیں؟ ہم نے سنا ہے کہ مجنوں بھی عشق لیلیٰ میں ایسی ہی حرکتیں کرتا تھا۔ ان کی کوئی ادا اس وقت عقل و خرد کے مطابق نہیں، عقل ان پر شاید ہنس رہی ہوگی مگر ادھر یہ عالم ہے کہ ؎

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا سنتا ہے اور ہنستا ہے دیوانہ آپ کا

عقل ان کی ان حرکتوں پہ ہنستی ہوگی مگر عشق خود عقل کی نارسائی پر خندہ زن ہے۔

ذرا ادھر بھی نظر دوڑائیے۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟ ایک بے گناہ جانور کو پچھاڑا۔ اور بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ چھری اس کی گردن پر چلنے لگی۔ یہ کوئی بے عقلی کی بات تو نہیں

وہ سب اپنے گھروں میں بھی ایسا کیا کرتے ہیں مگر یہ بھی ایک یادگار ہے انتہائے عشق کی۔ ایک بڑے عاشق کی جس کی ساری زندگی کی تگ و دو نمونہ ہے عشق کا۔ یہ تھا اللہ کا خلیلؑ فرزند آزر۔ اس کی ساری زندگی قربان گاہِ عشق ہی کی بھینٹ چڑھتی رہی۔ اس نے دنیاوی جاہ و اقتدار کی گدی کی قربانی دی خاندانی عظمت و وقار کی قربانی دی۔ وطن پر ہر شے قربان کر دی جاتی ہے۔ مگر اس نے اس وطن کو بھی قربان کیا اور اس طرح وطنیت کے بُت کو ہمیشہ کے لئے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ سب عشق ہی کے کرشمے تھے۔ پھر آگ میں..... ہاں آگ میں.....

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عقل حیلہ گر اس سے بچنے کے ہزار بہانے پیدا کر سکتی تھی کہ یہ عشق کا فتویٰ تھا کہ عقل کو بھی دیوانہ بنالو۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ع

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

عشق نے حکم دیا۔ حکم نہیں دیا صرف ایک اشارہ کیا۔ اشارہ بھی نہیں کیا محض تمثیلی رنگ میں ایک واقعہ دکھایا وہ بھی خواب میں۔ عشق مجسم سمجھا کہ ایک بڑی قربانی اور مانگی جا رہی ہے ایسی قربانی جہاں بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جائے۔ اس وقت کا اکلوتا، چہیتا، لاڈلا فرزند، آنکھوں کی سب سے بڑی ٹھنڈک، نسل کی آخری اُمید گاہ، بڑھاپے کا عصا اور قوتِ بازو۔ خلیلؑ سمجھا کہ اب اس کی قربانی مانگی جا رہی ہے۔ کسی تشریحی وحی کا بھی انتظار نہ کیا۔ بس بیٹے سے مشورہ کیا، اور چھری لے کر تیار ہو گیا ؎

کرشمہ کشتنِ عشق ہیں کہ تا چند ست پدر بکشتنِ فرزند خود رضامند ست

عقل کہہ رہی تھی کہ یہ خواب کی باتیں ہیں ذرا وحی کا تو انتظار کر لو۔ بھلا آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ باپ خود ہی بیٹے کی گردن پر بلا قصور چھری چلا دے؟ یہ کون سی عقل کی بات ہے؟ بے عقلی ہے سراسر نادانی ہے۔ مگر عشق آگے بڑھا اور آگے بڑھ کر وہ کچھ کر گیا کہ عقل و خرد انگشت بدنداں کھڑی رہ گئی۔ یہ تو خود ایک حسنِ اتفاق تھا کہ فرزند کی جگہ ایک مینڈھا پایہ آگیا، ورنہ خلیلؑ تو اپنی طرف سے لختِ جگر کو دے چکا تھا — یہ قربانیاں اسی عشق خلیلؑ کی یادگار ہیں۔ عقل کچھ بھی کہے مگر تقاضائے عشق یہی ہے کہ

ہم نے ان کے سامنے پہلے تو خنجر رکھ دیا پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا

Marfat.com

خلیلؑ کی یادگار عشق فقط قربانی ہی نہیں بلکہ حج اور اس کے سارے مناسک بھی اسی کی یادگار ہیں۔ جذب عشق سے نکلی ہوئی ہر ادا رکن حج بن گئی۔ حج اور اس کے سارے مراسم عقل و خرد کو درس عشق دیتے ہیں یہ عقل کو ختم نہیں کرتے بلکہ اس کی ابلیسیت کو ختم کر کے اس میں آدمیت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے نمرودی تمرد کو فنا کر کے ابراہیمی جذب سے نوازتے ہیں۔ قاہری کے اندر دلبری کے انداز پیدا کرتے ہیں۔ جلال کو جمال سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔

عشق خلیلؑ کے اس جذب و کشش کو دیکھئے۔ آج چار ہزار سال گزر گئے۔ دعا کی تھی کہ: "الٰہی میں نے تیری رضا کی خاطر اپنے ایک خاندان کو اس بے آب و گیاہ سرزمین میں آباد کیا ہے .... لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں ہر طرح کے ثمرات پہنچا۔" ارشاد ہوا کہ: "تم لوگوں میں منادی کر دو پھر تماشا دیکھو۔ لوگ پیدل بھی آئیں گے اور سواریوں پر بھی کشاں کشاں آئیں گے دور دور سے آئیں گے۔" یہ ابراہیمی پکار اگر صرف ایک رسمی اعلان ہوتی تو اس کی عمر زیادہ طویل نہ ہو سکتی تھی لیکن یہ اعلان عشق کا تھا جو لبیک اللھم لبیک کی شکل میں ایک ابدی، دائمی، ہمہ گیر اور آفاقی جواب چاہتا تھا۔ عشق کی پکار نہ خالی جا سکتی تھی نہ اس میں کمزوری آ سکتی تھی۔ یہ لبیک اللھم لبیک اسی دعوت عشق کا جواب ہے۔ دنیا کے ہر گوشے سے ہر قوم، ہر ملک، ہر زبان، ہر نسل اور ہر پیشے کے انسان کھنچے چلے آتے ہیں اس طرح کہ ؎

من نہ با اختیارِ خود می روم از قفائے او آں دو کمند عنبریں می بَرَدم کشاں کشاں

امیر و غریب کی تفریق، شاہ و گدا کا امتیاز، بلند و پست کا فرق یہ سب کچھ یہاں کے آتش کدۂ عشق میں جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔ لباس ایک، منزل ایک، لگن ایک، سب کے لئے وہی مطاف، سب کیلئے وہی صفا و مروہ کی دوڑ۔ سب کے لئے وہی عرفات کا میدان، سب کے لئے وہی چاند ماری، سب کے لئے وہی قربانیاں۔ کیا یہ یکسانی میں عشق ہی کا تقاضا نہیں؟ عشق ایک لگن ہے جو وحدت مطلوب کا تقاضا کرتی ہے اسی وحدت کی لگن نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا ہے اور تمام اونچ نیچ تفریقوں کو مٹا دیا ہے۔ یہ سارے مناسکِ حج عشق خلیلؑ کے کرشمے ہیں جو ہمیشہ ہر رنگ میں باقی رہیں گے ؎

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

Marfat.com

اجتہادی مسائل

جس میں چند فقہی و علمی مسائل پر مجتہدانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

ادارہ ثقافت اسلامیہ

Marfat.com